مولانا شاہ عبد القادر رائے پوریؒ کی دینی فکر میں سماجیات کا تصور

شازیہ بانو*

کلثوم پراچہ**

Abstract

Maulāna Shah Abdul Qadir Raipuri (1873-1962) was the Spiritual successor of Shah Abdul Rahim Raipuri. His life was filled with devotions and determined supplications to Allah, the Almighty. Maulana Abdur Rahim was pleased with the piety and spiritual progress of his student. After the demise of his Shaikh, he remained benefiting people by connecting them to Allah and ingraining the love of Allah in their hearts. The life and work of Maulana Raipuri yields many precious lessons for the Muslim Ummah. This paper attempts to enlighten social aspect of the religious ideology of Maulana Raipuri and explores his scholarly contributions towards Sub-continent's social, educational and spiritual fields.

Keywords: Shah Abdul Qadir Raipuri, Religious reformation, Khanqahi System, Religious movements of the Sub-Continent, Societal Islam

یہ ایک حقیقت ہے کہ برصغیر میں اسلام کی اشاعت میں خانقاہوں کا بنیادی کردار رہا ہے اور ان خانقاہوں نے بلا تفریق رنگ ونسل اسلام کی حقانیت کے گہرے نقوش اس خطے پر چھوڑے۔ انہی خانقاہوں میں ایک نام خانقاہِ رائے پور[1] کا بھی ہے جس نے اس خطے کے مخصوص حالات میں حجروں میں گوشہ نشین ہونے کی بجائے قومی وملی تحریکات کی سرپرستی ورہنمائی کرکے عملی کردار ادا کیا۔ یہ خانقاہ بنیادی طور پر امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۷۰۳-۱۷۶۲) کے سلسلے کے بزرگوں سے متعلق ومتاثر رہی ہے۔ چنانچہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (۱۸۱۷-۱۸۹۹)، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (۱۸۳۳-۱۸۸۰) اور مولانا رشید احمد گنگوہی (۱۸۲۹-۱۹۰۵) نے اس خانقاہ کے بانی

* لیکچرر، اسلامیات، گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین، چونگی نمبر ۱۴، ملتان۔

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، خواتین یونیورسٹی، ملتان۔

[1] رائے پور، یوپی (بھارت) کے شہر سہارن پور سے تقریباً ۳۶ کلو میٹر شمال میں واقع ایک قصبہ ہے۔ مولانا شاہ عبد الرحیم رائے پوریؒ نے اس قصبے کے قریب ایک باغ (گلزار رحیمی) کو ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء میں اپنا مستقل مسکن بنایا، یوں خانقاہ عالیہ رحیمیہ کی بنیاد پڑی، آزاد، عبد الخالق، مفتی، **سوانح حیات مولانا شاہ عبد الرحیم رائے پوری**، (لاہور: رحیمیہ مطبوعات، طبع دوئم اگست ۲۰۱۶ء)، ۶۸۴

مولانا شاہ عبد الرحیم رائے پوری[2] کی ہمیشہ سرپرستی کی۔ اس خانقاہ کے مشائخ[3] نے انسانی نفوس کی اصلاح کے ساتھ ساتھ اس خطے میں نظامِ عدل کے قیام کے لیے بھرپور جدوجہد کی۔ اس خانقاہ کے بزرگوں نے دین کی جامعیت کے حوالے سے بڑا نمایاں کردار ادا کیا۔ چنانچہ اس خانقاہ کے بزرگوں کی دینی فکر میں شریعت، طریقت اور سیاست کو باہم مربوط کر کے پیش کیا۔[4]

خانقاہ رائے پور کے دوسرے شیخ مولانا شاہ عبد القادر رائے پوریؒ کا تعلق تھوہا محرم خاں تحصیل تلاگنگ ضلع چکوال (پنجاب) کے علمی گھرانے سے تھا ([5])۔ آپ کے والد حافظ احمد صاحب کو قرآنِ کریم سے خصوصی لگاؤ تھا

---

[2] مولانا شاہ عبد الرحیم رائے پوریؒ (۱۸۵۳ - ۱۹۱۹)، اس خانقاہ کے پہلے شیخ تھے۔ آپ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن (۱۹۲۰) کے انتہائی قریبی ساتھی اور ہندوستان کی آزادی کے حوالے سے کئی قومی و ملی تحریکات کے سرپرست بھی تھے۔ آپ ۴۰ سال تک اس مرکز رشد و ہدایت کے توسط سے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے عملی میدان میں کردار ادا کرتے رہے۔ مدنی، حسین احمد، نقش حیات، (کراچی: دارالاشاعت، س۔ن)، ۲: ۶۲۴

[3] مولانا شاہ عبد الرحیم رائے پوری اور مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری کے بعد مولانا شاہ عبد العزیز رائے پوریؒ (۱۹۰۵۔ ۱۹۹۲) تھے۔ شاہ عبد القادر رائے پوریؒ نے انہیں اپنی زندگی میں ہی جانشینی کے فرائض سونپ دیے تھے اور اس کا اعلان شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے رائے پور میں ایک بڑے مجمع میں فرمایا تھا۔ (کراچی: محمد زکریا، مولانا، آپ بیتی، مکتبہ عمر فاروق)، ۱: ۲۳۶، انہوں نے تیس سال تک اس مرکز رشد و ہدایت سے انسانوں کو فیض یاب کیا اور پاکستان کے قومی و ملی امور میں گہری دلچسپی لیتے ہوئے تحریک ختم نبوت سمیت کئی تحریکات کی سرپرستی فرمائی۔ (حسان، محمد انس، ولی الٰہی فکر کے فروغ میں مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری کا حصہ، مقالہ ایم فل (۲۰۱۲۔ ۲۰۱۳)، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی شعبہ علوم اسلامیہ ملتان)، ۸۵

جبکہ مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ (۱۹۲۶ء۔ ۲۰۱۲) اس خانقاہ کے چوتھے شیخ تھے۔ آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے تیس سال تک حضرت شاہ عبد القادر رائے پوریؒ اور تیس سال حضرت شاہ عبد العزیز رائے پوریؒ یعنی کامل ۶۰ سال تک اس خانقاہ کا فیض اٹھایا اور خانقاہ کے مزاج کو سمجھا اور اس خانقاہ کو قومی تقاضوں کے مطابق ادارہ جاتی رخ پر ڈالا۔ اس خانقاہ کے مشائخ میں مولانا شاہ عبد القادر رائے پوریؒ کو اس اعتبار سے اہمیت حاصل ہے کہ ان کے زمانے میں خانقاہ رائے پور کی تعلیمات اور اثرات بہت تیزی سے اور بہت دور تک پھیلے۔ ان کی شخصیت اور فکر نے برصغیر کے ایک بڑے طبقے کو نہ صرف متاثر کیا بلکہ ان کی گہری بصیرت اور عمیق مشاہدے کو تسلیم بھی کیا گیا۔ (لاہور: ماہنامہ رحیمیہ، اکتوبر۔ نومبر ۲۰۱۲ء)، ج ۴، شمارہ ۱۰۔ ۱۱، ۴

[4] ندوی، ابو الحسن علی، مولانا، سوانح حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری، (کراچی: مجلس نشریات اسلام، س، ن)، ۳۱

[5] مولانا محمد عبد اللہ کے مطابق آپ قوم کے اعوان تھے۔ رائے پوری، حبیب الرحمن، مولانا، **ارشادات، شاہ عبد القادر رائے پوری**، مقدمہ، (لاہور: سید شہید اکیڈمی، ۲۰۰۶ء)، ۷

چنانچہ تمام زندگی قرآن پڑھایا۔ آپ کا نام والدین نے غلام جیلانی رکھا اور یہ نام آپ کا اس وقت تک رہا، جب آپ رائے پور حاضر ہوئے تو آپ کے شیخ شاہ عبد الرحیم رائے پوریؒ نے آپ کا نام عبد القادر رکھا۔ آپ کے والد محترم حافظ احمد صاحب کی شادی ضلع سرگودھا کے ایک گاؤں موضع ڈھکوال میں ہوئی تھی، جو ڈھڈیاں گاؤں (ضلع سرگودھا) سے تین یا چار میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ لیکن اہلیہ کا کچھ عرصہ بعد انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد تقریباً ساٹھ سال تک آپ نے دوسری شادی نہیں کی۔

بعد ازیں موضع للیانی ضلع سرگودھا کے ایک معزز خاندان میں دوسرا نکاح کیا اور انہی سے مولانا شاہ عبد القادر رائے پوریؒ تولد ہوئے۔ آپ کی سن ولادت کا درست علم تو نہیں، البتہ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے بعض قرآئن کی روشنی میں ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء کے بعد آپ کی ولادت ہونا قرار دیا ہے۔[6] تاہم مولانا حبیب الرحمان رائے پوری نے ۱۸۷۵ء کو سن ولادت قرار دیا ہے[7] اور مفتی محمد سلیمان قاسمی نے بھی اس کی تائید کی ہے۔[8] آپؒ کی ابتدائی تعلیم کے حوالے سے مولانا عبد اللہ لکھتے ہیں کہ:

"حضرت اقدس شاہ عبد القادرؒ صاحب نے اپنے تایا صاحب سے قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد بھرت شریف اور جھاوریاں میں حضرت مولانا محمد خلیل صاحب اور ان کے فرزند مولانا محمد رفیق صاحب سے ابتدائی کتابیں پڑھیں، پھر ہندوستان تشریف لے گئے، رام پور، دہلی، سہارن پور، بریلی اور گلاؤ ٹھی وغیرہ مقامات پر علوم متداولہ کی تکمیل کی، بریلی میں حکیم مختار احمد مرحوم سے طب بھی پڑھی۔"[9]

مروجہ تعلیم کے حصول کے بعد آپؒ بریلی میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی (۱۸۵۶۔۱۹۲۱) کے صاحبزادوں کو کچھ عرصہ پڑھاتے رہے۔ بعد ازاں دہلی تشریف لے گئے۔ اس وقت دہلی بالخصوص اور ہندوستان

مال کے بعض کاغذات میں حضرتؒ کی قوم جیپ لکھی ہوئی ہے اس سے بعض لوگوں کو مغالطہ ہوا اور انہوں نے جیپ کو جٹ یا راجپوت اقوام کی شاخ سمجھ لیا۔ حالانکہ جیپ اعوانوں ہی کی ایک ذیلی شاخ ہے۔ انصاری، محمد حسین، ڈاکٹر، **حیات طیبہ**، (گوجر خان: ادارہ معارف الاسلام، س۔ن)، ۴۰

[6] ندوی، ابوالحسن علی، مولانا، **سوانح حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری**، (کراچی: مجلس نشریات اسلام، س،ن)، ۳۱

[7] رائے پوری، حبیب الرحمن، مولانا، (مرتب)، **مجالس حضرت رائے پوری**، (لاہور: مکتبہ سید احمد شہید، ۱۹۹۶ء)، ۳۷

[8] قاسمی، محمد سلیمان، مفتی، **مختصر حالات زندگی حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری**، (کراچی: ادارۃ المعارف، ۲۰۰۹ء)، ۳۵

[9] رائے پوری، حبیب الرحمن، مولانا، **ارشادات شاہ عبد القادر رائے پوری**، (لاہور: سید احمد شہید اکیڈمی، ۲۰۰۶ء)، ۸

بالعموم مذہبی فرقہ واریت کی آگ میں سُلگ رہا تھا اور مسلمانوں میں سے ہر فرقہ دوسرے فرقے کی شدومد سے تنقید کرنے اور اسے کافر قرار دینے پر تُلا ہوا تھا۔ آپؒ کو یہ فتویٰ بازی کا ماحول بالکل پسند نہ آیا اور اس عمل نے آپؒ میں بے چینی پیدا کر دی۔ چنانچہ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ تشدد پسندی اور کفر بازاری کے اس ماحول کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے خود ان کی روایت بیان کرتے ہیں کہ:

"ہم (مولانا رائے پوری ثانی) جب اپنی بستی میں رہتے تھے تو صرف ایک ہی مذہب جانتے تھے لیکن جب ہم دلی پہنچے تو دیکھا کئی مذاہب ہیں، پہلے ہم ایک فریق کے پاس پہنچے، انہوں نے کہا یہ سب شرک ہے اور تم سب مشرک ہو۔ ہم نے کہا او ہو! یہ تو بڑی مشکل ہوئی، پھر ہم دوسرے فریق کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا وہ کافر ہے۔ ہم نے کہا اب ہم بھی کافر ہیں؟ آخر اللہ نے فضل فرمایا کہ ہمیں اپنے حضرات کے پاس پہنچا دیا جس سے دین کی حقیقت (جامعیت) معلوم ہوئی۔ ہم نے سمجھا تھا کہ جنت کوئی آسان چیز ہے لیکن علمائے کرام نے تو بہت مشکل بنا رکھی ہے۔"[10]

اس دوران آپؒ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا اور آپؒ واپس اپنے وطن تشریف لے آئے۔ یہی وقت ہے جب آپؒ نے مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کو عریضہ لکھا جو بعد میں بیعت و اجازت پر منتج ہوا۔ آپؒ نے قادیانی فرقہ کے بعض زعماء کا بھی قریب سے مشاہدہ کیا۔ حتیٰ کہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت (مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ) کو نہ دیکھا ہوتا تو میں تو قادیانی بن گیا ہوتا[11] چونکہ مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ خود قادیانی فتنہ کے سخت خلاف تھے اور اسے انگریز سامراج کی کارستانی سمجھتے تھے، اس لیے آپؒ کو اس حوالے سے نہ صرف مطمئن کیا بلکہ اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے بھی رہنمائی کی، چنانچہ بعد ازیں مسئلہ ختم نبوت میں آپ کی خصوصی دلچسپی اور سرگرم سرپرستی رہی۔

رائے پور کے قیام میں آپؒ نے اپنے شیخ کے زیرِ سایہ مجاہدہ، ریاضت اور تربیت کے تمام مراحل انتہائی عزم و ہمت اور جانفشانی سے طے کیے۔ حضرت عالی رائے پوریؒ نے آپؒ کو اولاً سلسلہ قادریہ میں بیعت فرمایا اور جب آپ نے منازلِ سلوک طے کر لیں تو پھر بعد میں چاروں سلاسل (قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ اور سہروردیہ) میں بھی

---

[10] ندوی، ابوالحسن علی، مولانا، **سوانح حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری**، ۵۱

[11] ندوی، ابوالحسن علی، مولانا، **سوانح حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری**، ۶۱

اجازت و خلافت عطا فرمادی۔[12] آپؒ کو اپنے شیخ سے والہانہ محبت تھی اور بڑی تن دہی سے ان کی خدمت میں لگے رہتے تھے۔ تاہم یہ محبت یک طرفہ نہیں تھی بلکہ حضرت عالی رائے پوریؒ بھی آپ سے حد درجہ محبت کرتے تھے۔ آپ کو اپنے سفر و حضر میں ساتھ رکھتے اور ۱۳۲۷ھ / ۱۹۱۰ء میں جب حج کے لیے تشریف لے گئے تو آپکو بھی ساتھ لے گئے۔ اور چودہ سالہ رفاقت میں مکمل توجہ آپ پر مبذول رکھی۔ مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ نے اپنے دوست اور ہم راز حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود حسن کا آزادی کی تحریک میں بھرپور ساتھ دیا اور ان کے بیرون ہند جانے کے بعد تحریک ریشمی رومال کی بھرپور سرپرستی کی تھی اس لئے اپنے انتقال سے قبل مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کو وصیت فرما گئے تھے کہ ان کے بعد حضرت شیخ الہندؒ اور ان کی جماعت کا ہمیشہ ساتھ دیں۔ چنانچہ جس طرح حضرت شاہ عبدالرحیمؒ اور حضرت شیخ الہندؒ کے درمیان گہرا تعلق اور اعتماد تھا بعینہٖ یہی تعلق اور اعتماد حضرت شاہ عبدالقادرؒ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے مابین تھا، چنانچہ مولانا رائے پوری اپنی مجالس میں حضرت مدنی کا بار بار تذکرہ فرماتے، ان کی عظمت، اخلاص اور دینی و ملی خدمات کی تحسین اور ان کے نصب العین کی بھرپور تائید فرمایا کرتے تھے۔[13]

اسی طرح بعض حضرات نے جب حضرت شیخ الہندؒ کے خاص شاگرد مولانا عبید اللہ سندھیؒ پر نقد کیا تو آپؒ نے ان کے شکوک و شبہات کو دور کیا اور فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ جس کی تعریف کریں میں تو ان کے متعلق نیک گمان ہی رکھتا ہوں چنانچہ آپ نے حضرت سندھیؒ کا ہمیشہ بھرپور دفاع کیا۔[14] مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کا انتقال حضرت شیخ الہندؒ کے زمانہ اسارت میں ہی ہو گیا تھا، چنانچہ حضرت شیخ الہند رہائی کے بعد بسلسلہ تعزیت خانقاہِ رائے پور تشریف لائے تو مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے ان سے اپنے حق میں دعا کی درخواست کی، جس پر حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا ابھی کیا کچھ کمی ہے کہ دعا کروں۔[15] گویا اس طرح آپ پر مکمل اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے آپ کی مسند نشینی کی توثیق کر دی۔ آپؒ کے اخلاص، للٰہیت اور جذبے نے خانقاہ رائے پور کو مرجع خاص و عام بنا دیا۔ خانقاہ کو عوامی سطح پر جو کچھ مقبولیت حاصل ہوئی وہ آپؒ ہی کی محنت اور خلوص کے نتیجے میں ہوئی۔ ذکر و اذکار

---

[12] قاسمی، محمد سلیمان، مفتی، **مختصر حالات زندگی حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری**، ۷۰۔۶۹

[13] رائے پوری، حبیب الرحمن، مولانا، **ارشادات شاہ عبدالقادر رائے پوری**، ۱۵

[14] ایضاً

[15] ایضا، ۱۵

اور دیگر باطنی اشغال نے خانقاہ کے ماحول کو پر کیف اور اثر انگیز بنا دیا تھا اور کوئی بھی شخص اس ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ سلاسلِ تصوف کی جامعیت نے آپؒ کی سوچ میں جو توازن اور اعتدال پیدا کر دیا تھا اس کی وجہ سے مسلکی اور فروعی اختلافات سے بالاتر ہو کر ہر طبقے کے لوگ تزکیہ نفس کے لیے اس خانقاہ کا رخ کرتے اور انسان دوستی اور اعلیٰ اخلاق کی تعلیم کے ساتھ اجتماعیت کا درس حاصل کرتے۔ وہ شاہ عبد الرحیم رائے پوریؒ کے فیض یافتہ اور ولی اللہی فلسفہ کے بہترین شارح تھے۔ انہوں نے اپنے شیخ کے کام کو آگے بڑھایا اور حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد، مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ساتھ مل کر قومی و ملی تحریکات میں بھرپور کردار ادا کیا۔[16]

آپؒ کی طبیعت ۱۳۷۴ھ / ۱۹۵۵ء سے کافی خراب رہنے لگی تھی۔ اس لیے آپ کو فکر تھی کہ خانقاہ اور مدرسہ کا یہ سلسلہ ان کے بعد بھی جاری رہے۔ اس حوالے سے کئی مشورے بھی ہوئے اور مختلف تجاویز مختلف اوقات میں سامنے بھی آئیں۔ بالآخر مولانا حافظ عبد العزیز رائے پوریؒ (نواسہ شاہ عبد الرحیم رائے پوریؒ) کو پاکستان سے بلایا گیا اور حضرت کے حکم سے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کاندھلوی نے مجمع عام میں یہ اعلان فرمایا کہ:

"حضرت نے حافظ صاحب کو یہاں قیام کے لیے تجویز فرمایا ہے اور حافظ صاحب نے بھی اس کو قبول فرمالیا، اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے، ہمیں تو بڑا فکر ہو رہا تھا کہ یہاں یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا۔"[17]

۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۲ء کو مولانا رائے پوریؒ اپنے بعض متوسلین کی خواہش پر شدید بیماری کے باوجود پاکستان تشریف لائے۔ اس دوران آپ کی طبیعت بہت خراب ہوئی، کچھ افاقہ ہوتا تو ہندوستان واپسی کا تقاضا کرتے۔ بیماری کا یہ سلسلہ ۱۶ اگست ۱۹۶۲ء کو یوں ختم ہوا کہ آپ اپنے خالقِ حقیقی کے دربار میں پہنچ کر سرخرو ہوئے اور ڈھڈیاں میں خلاف منشا تدفین عمل میں آئی۔

حقیقت پسندی اور روح عصر سے آگہی:

مولانا شاہ عبد القادر رائے پوریؒ کی طبیعت میں اپنے شیخ حضرت عالی رائے پوریؒ کی تربیت اور صحبت سے ایسی جامعیت اور وسعت پیدا ہو گئی تھی کہ آپ آنے والے دور کے تقاضوں کا حقیقت پسندی پر مبنی اصولی اور معروضی تجزیہ کیا کرتے تھے۔[18]

---

[16] ایضاً، ۱۵، ۳۵

[17] قاسمی، محمد سلیمان، مفتی، **مختصر حالات زندگی حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری**، ۱۷۶۔۱۷۷

[18] ندوی، ابوالحسن علی، مولانا، **سوانح حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری**، ۲۷۷

مولانا ندویؒ کے بقول:

''حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی طبیعت میں حقیقت پسندی، عملیت اور زمانہ کے تغیرات کی رعایت بہت تھی آپ کی طبیعت میں وہ افراط و تفریط اور تخیل پسندی نہیں تھی، جو اکثر فرط ذہانت، یا شدت مجاہدہ یا رجائیت پیدا کر دیتی ہے آپ کا ذہن بڑا متوازن اور عملی تھا۔ حقائق و واقعات پر (خواہ وہ کیسے ہی تلخ اور تشویش انگیز ہوں) آپ کی نظر رہتی تھی، معاملہ کا کمزور اور تاریک پہلو بھی دیکھتے تھے، زمانہ کی نئی تبدیلیوں اور تقاضوں پر آپ کی نظر تھی آپ کا ذہن فطری طور پر اتنا وسیع، نمو پذیر اور نقاد تھا کہ عام طور پر قدیم دینی حلقہ میں بہت کم دیکھنے میں آیا۔''[19]

آپ کی عصر حاضر کے تناظر میں مسلمانوں مسلمانوں کے لیے دل سوزی کا اندازہ اس ارشاد سے لگایا جا سکتا ہے کہ:

''مسلمان اپنی اغراض میں مبتلا ہو کر کچھ ایسے سوئے ہیں کہ جاگنے کا نام نہیں لیتے، جس وقت یورپ جاگ رہا تھا، مسلمان ترک گہری نیند سو رہے تھے، اس نے ہر قسم کا سامانِ جنگ بنایا لیکن مسلمان غفلت میں پڑے رہے، جب تک سامان پاس نہ ہو تو لڑائی کس طرح لڑی جا سکتی ہے، اب تو اگر مسلمانوں کی ساری سلطنتیں بھی متحد ہو جائیں تو جنگ کے لیے ایک دن کا خرچ دینے کی بھی طاقت نہیں رکھتے، یہ کیسے کسی سے لڑ سکتے ہیں، انگریز جن کے پاس اتنی بڑی سلطنت تھی کہ اس کے ملک میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا، یہ بھی جنگ کا خرچ برداشت نہیں کر سکا چنانچہ (عالمی جنگ کے دوران) اپنے ملک کے بیشتر حصے قرض میں دے دیئے، لڑائیاں لڑنا آسان نہیں ہے۔''[20]

مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ طالبین و سالکین کی اصلاح و تربیت میں اجتہادی بصیرت کے حامل تھے، آپ کی نظر رسوم و آداب کی جزئیات و تفصیلات کی بجائے اصل مقصد اور لب لباب پر تھی۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ اصل کیفیت یقین کا پیدا ہو جانا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے آپ اختلافِ مزاج اور زمانہ کی تبدیلیوں کی بہت رعایت فرماتے تھے۔ ایک دفعہ پروفیسر عبدالغنی صاحب سے فرمایا:

''آجکل طبیعتیں کمزور ہیں، اس لیے اگلے زمانہ کے لوگوں جیسے مجاہدے ممکن نہیں۔ تصوف میں بھی اب خلاصہ نکال لیا گیا ہے۔ اسی سے لوگوں کو چلایا جاتا ہے اور فرمایا حالات و واردات، مکاشفات وغیرہ مطلوب نہیں نہ

---

[19] انصاری، محمد حسین، ڈاکٹر، **نفحاتِ طیبہ**، (لاہور: القادر ناشران، کتب اسلامی، س۔ن)، ۱۲۱

[20] آزاد، عبدالخالق، مفتی، **مشائخ رائے پور**، (لاہور: دار التحقیق والاشاعت، س،ن)، ۸۹

ان کی کوئی حقیقت ہے اصل چیز اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا تعلق اگر یہ نصیب ہو جائے تو دوسری چیزیں ہوں یا نہ ہوں ان کی ضرورت نہیں۔"[21]

آپؒ طالبین کی استعداد اور صلاحیت کا لحاظ کر کے مناسب تغیر کیساتھ اصلاح فرماتے ہر ایک کے حالات کے مطابق طریقہ تربیت اختیار فرماتے، جس کسی کے اندر خاص دینی مشغلے کا رجحان اور ذوق غالب دیکھتے اور اس سے دین کا نفع وابستہ ہوتا تو اس کو اسی کے جاری رکھنے کا حکم فرماتے اور اس مشغلے کو اس کا ذکر و سلوک بتاتے۔ آپ کو اصلاح و تربیت میں مجتہدانہ بصیرت حاصل تھی اس ضمن میں جسمانی صحت و طاقت کا بھی آپؒ بہت لحاظ فرماتے ایک مرتبہ فرمایا کہ:

"اگر قوت ہو تو ذکر بالجہر کرنا چاہیے، اثر جلدی ہوتا ہے لیکن اگر طبیعت کمزور ہو تو ہر گز ذکر زیادہ بلند آواز سے نہ کرے ورنہ طبیعت مختل ہو جائے گی اور دماغ خراب ہو جائے گا۔"[22]

قرآن وحدیث کا فہم وشعور:

آپؒ نے قرآن پاک کی الہامی و انقلابی تعلیمات کے ذریعے اپنے متوسلین و متعلقین میں قرآنی فہم و شعور اجاگر کیا، کیونکہ مشائخ رائے پور کے ہاں قرآن حکیم کی تلاوت اور اس کے فہم و شعور کی خصوصی اہمیت رہی ہے۔ اس طرح آپؒ نے قرآن وحدیث کی تشریح و توضیح سے دور حاضر میں درپیش مسائل کا حل اور زندگی کے ہر شعبے میں دینی شعور و فہم کو اجاگر کیا۔

آپ کی قرآن فہمی کے چند نمونے درج ذیل ہیں:

''وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَاۗءٌ''[23]

"اور نہ کہو ان کو جو مارے جائیں اللہ کی راہ میں مردہ بلکہ وہ تو زندہ ہیں۔"

---

[21] قاسمی محمد سلیمان، قاسمی، **مختصر حالات زندگی حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری**، ۱۲۵

[22] ندوی، ابوالحسن علی، مولانا، **سوانح حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری**، ۲۰۶

[23] البقرہ: ۱۵۴

اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

"یہ اور اس قسم کی دوسری آیات شہیدوں کے بارے میں ہیں لیکن اولیاء اللہ بھی ان میں شامل ہیں کہ سب کچھ ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی محبت اور عشق میں شہید ہو جاتے ہیں۔"[24]

''اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ''[25]

اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ :

"ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کا نور ہے اور ایک تجلی ہے انسان، حیوان، شجر حجر، زمین اور آسمان سب میں نور ہے اور یہ نور جو دیکھنے میں آ رہا ہے اس میں ظلمت ملی ہوتی ہے مثلاً سورج، چاند، ستارے، چراغ وغیرہ کا نور سب کے ساتھ ظلمت ہے ورنہ دکھائی نہ دیتا اور اللہ تعالیٰ کا نور بے کیف ہے اسی لیے بزرگان دین بے کیف نور کا مراقبہ کراتے ہیں اور یہ جو نور کا تصور کرایا جاتا ہے، یہ تو ایک نشان ہے ورنہ وہ ذات اعلیٰ وارفع اور وراء الوراہے اور جیسے اللہ تعالیٰ خود قائم اور دائم ہے وہ اپنا نام لینے والوں کو اپنے نام مبارک کی برکت سے دائمی زندگی بخشتا ہے۔"[26]

آپ کی حدیث فہمی کی ایک مثال درج ذیل ہے:

''خیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام اذا فقھوا''[27]

جاہلیت میں ان کا بہترین انسان اسلام قبول کرنے کے بعد بھی بہترین شمار ہو گا بشرطیکہ وہ دین کا گہرا فہم پالیں۔

اس حدیث کی تشریح وتوضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"اخلاق پیدائشی ہوتے ہیں جو بھی ہوں مگر ان کا رخ بدلنا ہوتا ہے پس اپنے اخلاق کا رخ بدل لو۔ اسلام میں اخلاق کا انسلاخ نہیں ہوتا بلکہ رخ بدلتا ہے جتنی طاقت ہو اس کو اگر رضائے الٰہی کے لیے استعمال کیا جائے تو وہ اخلاق حمیدہ ہیں اور ان کے خلاف اخلاق رذیلہ۔ جن میں زیادہ طاقت ہوتی ہے ان کا مجاہدہ بھی زور دار ہوتا ہے اور

---

[24] انصاری، محمد حسین، ڈاکٹر، **حیات طیبہ**، ۵۲۷

[25] النور:۳۵

[26] انصاری، محمد حسین، ڈاکٹر، **نفحاتِ طیبہ**، ۱۱۵

[27] البخاری، محمد بن اسماعیل، ابوعبداللہ، **الجامع الصحیح**، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ واتخذ اللہ ابراھیم خلیل، حدیث: ۳۳۵۳

ان پر حالات بھی بہت عجیب آتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے سخت تھے مگر اسلام کے بعد وہ سختی مخالفین اسلام کے لیے ہو گئی۔"[28]

دین میں سماجیات کی اہمیت:

دین دراصل شریعت، طریقت اور سیاست کے شعبہ ہائے حیات مجموعے کا نام ہے۔مولانا محمد الیاس دہلویؒ دین کے ان تینوں شعبوں پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

الف۔ شریعت ان دینی قوانین کے مجموعے کا نام ہے، جس میں سماجی زندگی کے تمام شعبوں میں فطری اور طے کردہ معاہدوں کو عدل وانصاف کے ساتھ نبھانے کی تعلیمات اور رہنمائی موجود ہے۔

ب۔ طریقت وہ جذبہ عمل ہے جو تزکیہ نفس کے ذریعہ قانونِ شریعت پر عمل اور اس کے نفاذ کی باطنی قوت اور قلبی حوصلہ فراہم کرتا ہے۔

ج۔ سیاست قانونِ شریعت کو معاشرے میں عملی نفاذ کی حکمت عملی ہے۔ جس کا تعلق موجودہ دور کے اجتماعی تقاضوں سے ہوتا ہے۔[29]

مولانارائے پوری اپنے پیش روبزرگوں کی طرح مذہب اور سیاست کے حقیقی شعور اور مفہوم پر زور دیتے ہوئے دونوں کے متوازن تعلق باہمی کے قائل ہیں۔ آپ کے نزدیک اسلام دیگر مذاہب کی طرح محض ایک مذہب ہی نہیں بلکہ ایک مکمل دین ہے جو تمام ادیان پر غالب ہونے کے لیے آیا ہے اور دین حق کا غلبہ ہمیشہ نظام عدل کے قیام کے ذریعے ہی معتبر ہوتا ہے اور اس کے لیے عصر حاضر کے سیاسی شعور کا ہونا ضروری ہے۔ آپ کے نزدیک آج مذہب کا جو محدود تصور پیش کیا جارہا ہے وہ انگریز کے دورِ غلامی کی یاد گار ہے۔ چنانچہ اگر آج اسلام کو ایک زندہ مذہب کے طور پر پیش کرنا ہے تو اس کے لیے مذہب کو ایک نظام فکر کے طور پر پیش کرنا ہو گا۔اسی پس منظر میں شریعت وطریقت کے باہمی ربط کو آپ یوں واضح کرتے ہیں:

"متاخرین کے نزدیک شریعت کا جو جزو اعمال ظاہرہ سے تعلق رکھتا ہے اس کو فقہ کہنے لگے باطنی اعمال کے طرق کو "طریقت" کہنے لگے پھر ان اعمال باطن سے جو جلا اور صفائی باطن میں پیدا ہو اس سے جو حقائق کونیہ،

---

[28] رائے پوری، حبیب الرحمن، ارشادات شاہ عبدالقادر رائے پوری، ص ۴۰

[29] علوی، حسین احمد، مقاصدِ طریقت، (ملتان، شاہ ولی اللہ میڈیافاؤنڈیشن، س،ن)، ص ٦

اعیان اعراض یا حقائق الہیہ، صفات فعلیہ بالخصوص معاملات "فیما بین اللہ و بین العبد" ان مکشوفات کو "حقیقت" کہتے ہیں اور انکشاف کو "معرفت" کہتے ہیں۔ لہٰذا یہ سب امور شریعت ہی سے متعلق ہے۔[30]

مولانا رائے پوری دین و دنیا کی تفریق پر مبنی اس طرز فکر کے شدید ناقد تھے کہ نماز، روزہ وغیرہ تو دین ہے اور سیاست اور معیشت کے امور دنیا کے کام ہیں۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ:

"نیک نیتی سے ملک کی (سیاسی، معاشی اور دفاعی) طاقت پیدا کرنے کی جو کوشش کی جائے، سب دین ہی ہے، صالح نیت سے حکومت کی ترقی کا جو بھی کام کیا جائے، سارے کا سارا دین ہی دین ہے۔"[31]

ان کی نظر میں دین کی اعلٰی تعلیم کا لازمی تقاضہ دورِ حاضر کے سیاسی و سماجی رجحانات سے آگہی اور اس حوالہ سے دینی شعور کو اجاگر کرنا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"بے شک اگر دینی اعلیٰ تعلیم والے تیس سالہ سیاسی تجربہ رکھنے اور پوری توجہ دینے کے بعد بھی سیاست کو نہ سمجھ سکیں تو گویا دینی تعلیم کچھ تعلیم نہ ہوئی اور پھر ان کو ڈوب مرنا چاہیے۔"[32]

سلاسلِ تصوف کی جامع تربیت نے آپؒ کی سوچ میں جو توازن اور اعتدال پیدا کر دیا تھا اس کی وجہ سے مسلکی اور فروعی اختلافات سے بالاتر ہو کر ہر طبقے کے لوگ تزکیہ نفس کے لیے اس خانقاہ کا رخ کرتے اور انسان دوستی اور اعلیٰ اخلاق کی تعلیم کے ساتھ اجتماعیت کا درس حاصل کرتے۔ بیعت کے سلسلے میں آپ کا معمول بڑا عجیب تھا۔ چنانچہ آپ علمائے کرام کو بیعت کرنے میں اگرچہ بہت متأمل اور محتاط تھے مگر عوام کو اللہ کا نام سکھانے اور ان کو توبہ کرا دینے میں بہت وسیع الظرف اور محنت سے کام لیتے تھے۔ اس عمل سے ان کے فلسفہ تصوف کی عوامیت اور عام انسانوں تک رابطے کی استواریت کا پتہ چلتا ہے۔ اس عمومی بیعت اور ذکر و شغل کے بتلانے سے آپ کا مقصود تمام دینی و دنیاوی مشاغل چھڑانا اور اجتماعی زندگی سے نکال کر مستقل طور پر تنہائی و خلوت میں بٹھا دینا نہیں ہوتا تھا، بلکہ اس سے آپ کا مقصود عوام میں ان کے درجے کا اخلاص، تعلق مع اللہ اور پابندی شریعت پیدا کرنا تھا۔[33]

---

[30] رائے پوری، حبیب الرحمن، مولانا، **ارشادات شاہ عبدالقادر رائے پوری**، ۲۲۲

[31] ندوی، ابوالحسن علی، مولانا، **سوانح حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری**، ۲۷۹

[32] رائے پوری، حبیب الرحمن، مولانا، **ارشادات شاہ عبدالقادر رائے پوری**، ۵۲

[33] قاسمی، محمد سلیمان، مفتی، **مختصر حالات زندگی حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری**، ۸۰

آپؒ کے ہاں روایتی خانقاہوں کا سامزاج نہیں تھا بلکہ یہ خانقاہ مروجہ رسوم وقیود سے آزاد تھی یہی وجہ ہے کہ آپ کی مجلس میں عصری علوم کے حاملین اور مدارسِ دینیہ کے فاضلین اور نوجوانوں کو برابر درجہ دیا جاتا تھا۔

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں کہ:

" رائے پور کی خانقاہ چونکہ رسوم وقیود سے بہت آزاد اور حضرت کی طبیعت مبارک بہت جامع، وسیع اور داروگیر سے دور تھی، نیز مختلف ماحول اور طبقات کے لوگوں کا آپ سے تعلق اور عقیدت اور آپ کو ان سے محبت تھی اس لیے...... جدید تعلیم یافتہ اور قدیم مدارس کے فضلاء اپنی اصلاح وتربیت اور اپنے اپنے خلاء کی تکمیل کے لیے حاضر ہونے لگے۔"[34]

تصوف کے بعض عَلم برداروں کی بے عملی، تعطل اور جمود کی وجہ سے تصوف کو بطالت، بیکاری کا مشغلہ اور دعوت فرار کا مترادف سمجھا جانے لگا ہے، مولانا رائے پوری کو اس بات کا بڑا یقین اور اصرار تھا کہ تصوف بجائے تعطل اور بے عملی کے دینی کاموں کی زندگی اور طاقت کا سرچشمہ ہے۔ چنانچہ ان کا کہنا تھا کہ:

"تصوف دین کے کام چھڑانے کے لیے نہیں ہے بلکہ اس سے تو دین کے کاموں میں قوت آتی ہے اور جان پڑتی ہے لیکن کیا عرض کیا جائے اللہ کی مشیت ہے، جن کو اللہ نے دین کے کاموں کے قابل بنایا ہے وہ اب ادھر توجہ ہی نہیں کرتے حالانکہ اگر تھوڑی سی توجہ وہ ادھر دیدیں تو دیکھیں کہ ان کے کاموں میں کتنی قوت آتی ہے۔"[35]

اسلام کی فکر مندی اور مسلمانوں کے حالات سے باخبر آپ کی طبیعت ثانیہ اور پورے نظام زندگی کی روح رواں بن گئی تھی-ایک مرتبہ مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ سے تنہائی میں فرمایا کہ:

"لوگ سمجھتے ہیں تخلیہ میں معلوم نہیں کہ کن عبادات میں مشغول ہوتا ہوں، بعض مرتبہ پورا وقت مسلمانوں کی فکر اور رنج وقلق میں گزر جاتا ہے۔"[36]

---

[34] ندوی، ابوالحسن علی، مولانا، **سوانح حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری**، ۲۲۰

[35] ایضاً، ۳۴۱

[36] ایضاً، ۳۴۲

تحریکاتِ آزادی کی سرپرستی:

آپؒ کی سیاسی بصیرت بڑی گہری تھی۔ اس دور کی تمام تحریکوں، سیاسی جماعتوں اور سیاسی لیڈروں کے متعلق ایسی جچی تلی رائے رکھتے تھے جس سے زیادہ معقول و مناسب رائے دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا مدبر بھی قائم نہیں کر سکتا تھا۔ آپؒ نے اپنی مومنانہ فراست سے ہمیشہ سیاسی زعماء کی رہبری فرمائی۔ چنانچہ جمعیۃ علماء ہند، مجلس احرار اسلام، کانگریس اور مسلم لیگ وغیرہ کے بعض لیڈروں کو بروقت نہایت مفید اور قیمتی مشورے دیے۔[37]

مولانا حبیب الرحمن لدھیانویؒ اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ جو کہ مجلس احرار کے بانی تھے، آپ ہی سے تعلقِ بیعت رکھتے تھے۔ مسجد شہید گنج اور دیگر کئی مسائل پر جب انگریز نے "احرار" کو تشدد کی راہ پر چلانے اور حقیقی مسائل سے دور کرنے کی کوشش کی تو حضرت کی سیاسی فراست نے "احرار" کو اس مسئلہ میں الجھنے سے بچایا۔[38] اسی طرح مولانا محمد الیاسؒ دہلوی کی "تبلیغی جماعت" نیز تحریکات دفاع صحابہؓ سے آپ کو گہرا قلبی تعلق تھا۔ ان جماعتوں کے اکابرین و ارکان اور زعماء کی آپ بڑی دلجوئی اور ہمت افزائی فرماتے تھے۔ آپؒ کی معیت میں خانقاہِ رائے پور آزادی پسند تحریکات کی مشاورت کا مرجع بنی رہی اور اس خانقاہ نے روایتی خانقاہوں سے ہٹ کر ان تحریکات کی مکمل سرپرستی فرمائی۔

دینی سیاست کے رہنما اصول:

الف۔ مولانا رائے پوریؒ نے عدم تشدد کی پالیسی کو اپنے سیاسی اصولوں میں اولین درجہ میں رکھا ہے۔ آپ کے مطابق:

اسلام کی اصل دعوت اسلامی عقائد کی بلا جبر دعوت تھی۔ باقی اس دعوت بلا جبر و اکراہ کو روکنے کے لیے اگر جبر سے کام لیا جاتا تھا تو اپنی طاقت کے مطابق اس جبر کو رفع کرنے میں جو ٹکراؤ ہوتا ہے اس کے نتیجہ میں حکومت بھی قائم ہو جاتی تھی اور روم اور ایران کا معاملہ لیا جائے تو قیصر روم نے حملہ کی تیاری کی تھی تاکہ اسلام کے پودے کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے اور کسریٰ نے نبی ﷺ کی گرفتاری کے لیے ایک شخص کو مامور کر کے مدینہ بھیجا اور

---

[37] ارشد، عبد الرشید، **برصغیر پاک و ہند کے بیس بڑے مسلمان**، (لاہور، مکتبہ رشیدیہ، ۱۹۶۹ء)، ۶۰۹

[38] آزاد، عبد الخالق، مفتی، **مشائخ رائے پور**، ۷۷

یہ بھی اسلام کو دنیا سے مٹانے والی حرکت تھی اس لیے بھی ان حکومتوں سے تصادم ہوا اور ان کا مٹ جانا خدا کے ہاں مصلحت قرار پایا۔[39]

ب۔ آپ دور حاضر میں جمہوریت کی اہمیت سے نا صرف آشنا تھے بلکہ خود سیاسی نظام میں جمہوری رویوں اور معاشرے میں جمہوریت کی کار فرمائی کو ناگزیر تصور کرتے تھے۔ اس حوالے سے آپؒ بیان فرماتے ہیں کہ :

" آج کل شخصی حکومتیں ہر گز نہیں چل سکتیں آج کل تو جمہوری اور شورائی حکومتیں ہی چل سکتی ہیں جن میں کچھ لوگوں کا مخالف رہنا عین اصولی بات ہے۔[40]

ج۔ مولانارائے پوریؒ مسلمانوں میں سیاسی و مذہبی گروہیت کے بھی سخت خلاف تھے۔ آپؒ کے نزدیک گروہیت سے امت میں تفریق پیدا ہوتی ہے اور اس سے وحدت امت کا نظریہ کمزور ہو کر انتشار و افتراق کو ہوا ملتی ہے اس حوالے سے ان کی تجزیاتی رائے یہ تھی کہ:

''جو لوگ تبلیغ کے نام سے یا دین کی خدمت کے نام سے الگ جماعتیں بناتے ہیں اس سے مسلمانوں میں تفریق اور پارٹی بندی پیدا ہوتی ہے ابتداء میں تو کہتے ہیں کہ ہم دین کی خدمت کر رہے ہیں لیکن بالآخر دوسروں کو کافر کہنے لگتے ہیں مرزائیوں کو تو دیکھو ابتداء میں کہتے تھے کہ ہم اسلام کی صحیح خدمت کر رہے ہیں، اب دیکھو ان میں اور ہم میں کتنا فرق ہے؟ کفر اسلام کا فرق ہے۔ ابتداء میں، میں حکیم نور الدین قادیانی سے ملا اس سے پوچھا کہ آپ نے جماعت الگ کیوں بنائی ہے کہنے لگے نیچریوں اور آریوں کو متحد بنانا چاہتے ہیں، لیکن آخر میں اپنے سوا سب مسلمانوں کو کافر کہنے لگے تکلف اور بناوٹ سے دین کی خدمت نہیں ہوتی۔''[41]

د۔ آپؒ سرمایہ پرستوں اور جاگیر داروں کی اس بناء پر مخالفت کرتے تھے کہ یہ لوگ استحصالی سوچ کے زیرِ اثر مزدوروں اور کسانوں کو ان کے جائز حق اور بنیادی انسانی ضروریات سے محروم رکھتے ہیں۔ آپؒ علماء کے طبقے کو اس بات پر ابھارتے ہیں کہ وہ باہمی ابحاث و مجادلہ کو چھوڑ کر عصر حاضر کے عملی مسائل کی طرف متوجہ ہوں۔

---

[39] رائے پوری، حبیب الرحمن، مولانا، (مرتب)، **مجالس حضرت رائے پوری**، ۳۴۰

[40] رائے پوری، حبیب الرحمن، مولانا، **ارشادات شاہ عبد القادر رائے پوری**، ۱۰۲

[41] انصاری، محمد حسین، ڈاکٹر، **نفحاتِ طیبہ**، ۲۸۸

چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

"لوگوں کو مذہبی لڑائی کے بجائے اب زمیندار، کاشتکار اور مزدور سرمایہ دار وغیرہ سوالات پر لڑنا چاہیے۔ اس سے مذہب کو بدنام کرنے کا قصہ تو ختم ہو جائے گا، ورنہ یہ خیال ہے کہ مذہب بدنام تو اب بھی ہے (مذہبی لڑائی پیدا کی گئی تو) اور بھی زیادہ بدنام ہو جائے گا۔"[42]

اسی طرح مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"یہ زمیں دار (جاگیر دار) لوگ عام طور پر ہر جگہ کے خود غرض اور جابر و ظالم ہوتے ہیں خواہ یوپی ہو یا پنجاب ([43])۔ مدارس دینیہ کو چلانے کے حوالے سے آپؒ سرمایہ داروں کے چندوں کے سخت خلاف تھے۔ ان کی رائے یہ تھی کہ جن لوگوں سے چندے وصول کروگے ان کی خوشامد بھی کرنا پڑے گی۔"[44]

اسی بنا پر آپ مدارسِ دینیہ کے داخلی اور خارجی معاملات میں سرمایہ داروں کے اثرات کو قطعی پسند نہ فرماتے تھے۔ آپؒ کے ہاں سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ سوچ کے حامل طبقات کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

عصری علوم کی اہمیت:

نوجوانوں میں تعلیم و تربیت کے مطلوبہ اثرات پیدا کرنے کے حوالے سے آپ بہت متفکر رہتے تھے۔ اس حوالے سے آپ کا نقطہ نظر کو ان اجزاء میں بیان کیا جاسکتا ہے:

الف آپ غلبہ دین کے لیے جدید علوم وفنون سیکھنے اور عقل وشعور سے کام کرنے کے لیے نوجوانوں کو تیار کرتے رہے۔ ان کے مطابق کوئی سلطنت موجودہ دور میں اپنی بقاء کے لیے جدید علوم وفنون سے ایک لمحہ صرفِ نظر نہیں کر سکتی اور وہ علوم وفنون ہمیں اغیار سے سیکھنے ہوں گے۔[45] آپ کے ملفوظات میں جدید علوم وفنون کی تحصیل اور ان فنون کو اجتماعی ترقی کے لیے استعمال کرنے کا ذکر جگہ جگہ ملتا ہے۔

---

[42] رائے پوری، حبیب الرحمن، مولانا، **ارشادات شاہ عبدالقادر رائے پوری**، ۷۵

[43] رائے پوری، حبیب الرحمن، مولانا، **ارشادات شاہ عبدالقادر رائے پوری**، ۷۵

[44] ایضاً

[45] رائے پوری، حبیب الرحمن، مولانا، (مرتب)، **مجالس حضرت رائے پوری**، ۱۱۵

ب۔ مولانا رائے پوری نوجوانوں میں اعلیٰ فنی تعلیم کا شعور بیدار کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ اور تعلیم کے شعبوں میں عورتوں کو میڈیکل کی تعلیم دینے کے خاص طور پر حامی تھے۔ تاہم اس حوالہ سے نوجوانوں کے قدرتی رجحانات کو بنیادی اہمیت دیتے تھے۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ:

"یورپ والے زیادہ تر اس لیے کامیاب ہو جاتے ہیں کہ جس استعداد کا بچہ ہوتا ہے اور جس طرف اس کا قدرتی رجحان ہوتا ہے وہ اس کی ویسی ہی تعلیم کراتے ہیں، بچوں کی استعداد کا اندازہ کیے بغیر ان کی تعلیم پر جدوجہد کرنا اکثر ناکامی کا سبب ہوتا ہے۔"[46]

ج۔ عصری تقاضوں اور ان کی تشکیل کے لیے آپؒ سائنسی ایجادات اور جدید تعلیم کو ضروری خیال کرتے، فرماتے ہیں کہ:

"اسلامی نظام خالی باتوں سے قائم نہیں ہو سکتا، اگر دنیا کے بڑے بڑے ملکوں کے دوش بدوش کھڑا ہونا ہے تو ان لوگوں کے علوم و فنون سیکھنے ہوں گئے مگر مشکل یہ ہے کہ ہم ان کے علوم کو سیکھتے سیکھتے اپنے دین و مذہب کو خیر باد کہہ دیتے ہیں جب تک کوئی ملک اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو اس زمانہ میں دین و دنیا کا کوئی کام نہیں کر سکتا۔"[47]

آپؒ مادی ترقی کی نفی کی بجائے مادی ترقی کے لیے نئے علوم کا اکتساب، جدید صنعتوں، سائنس و ٹیکنالوجی میں ترقی، مالی استحکام اور خود کفالتی کو بہت ضروری سمجھتے تھے اور خصوصاً پاکستان کے زمانہ قیام میں خصوصی طور پر اپنی مجلسوں میں خاص طور پر جدید تعلیم یافتہ حضرات اور فضلاء کو متوجہ کرتے اور عالم اسلام کے اس سلسلہ میں تساہل و غفلت پر گہرے رنج و قلق کا اظہار فرماتے کہ:

"مسلمان اپنے اغراض میں مبتلا ہو کر کچھ ایسے سوئے ہیں کہ جاگنے کا نام نہیں لیتے، جس وقت یورپ جاگ رہا تھا، مسلمان گہری نیند سو رہے تھے اس نے ہر قسم کا سامان جنگ بنایا لیکن مسلمان غفلت میں پڑے رہے جب تک سامان پاس نہ ہو لڑائی کس طرح لڑی جا سکتی ہے مسلمانوں کی ساری سلطنتیں اسلامی بھی بن جائیں تو جنگ کے لیے ایک دن کا خرچ دینے کی بھی طاقت نہیں۔ انگریز جن کے پاس اتنی بڑی سلطنت ہے کہ اس کے ملک میں سورج غروب نہیں ہوتا یہ بھی جنگ کا خرچ برداشت نہیں کر سکا، لڑائیاں لڑنا آسان نہیں ہے۔"[48]

---

[46] قاسمی، محمد سلیمان، مفتی، **مختصر حالات زندگی حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری**، ۱۷۷

[47] ندوی، ابوالحسن علی، مولانا، **سوانح حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری**، ۲۷۹

[48] **ایضاً**

د۔ مولانا رائے پوریؒ مدارسِ دینیہ کے نوجوانوں کے لیے طویل نصاب کے قائل نہیں تھے، بلکہ اس کے برعکس چاہتے تھے کہ نصاب مختصر اور دینیات پر حاوی ہونا چاہیے۔ ان کے مطابق مدارسِ دینیہ کے نصاب میں قدیم فلسفہ اور یونانی منطق کو نکال کر قرآن وحدیث کو جگہ دی جائے۔[49]

نوجوانوں کی حقیقت پسند رہنمائی:

مولانا رائے پوریؒ نوجوانوں سے بہت محبت فرماتے تھے اور اس معاملے میں کالج اور مدرسہ کے نوجوانوں کے ساتھ مساوی رویہ تھا۔ آپؒ نوجوانوں کے ذاتی افعال اور خرابیوں سے قطعِ نظر کرتے ہوئے وسیع تر مفادات کے لیے انہیں اپنے قریب کر کے ان کی اصلاح کے قائل تھے۔ چنانچہ نوجوانوں پر تنقید کرنے کی بجائے اس نظام کی خرابی واضح کرنے پر یقین رکھتے تھے جس نے نوجوانوں کے اخلاق خراب کر دیے ہیں۔ اس حوالے سے آپؒ کے نقطہ نظر کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ ایک شخص نے لباس کے متعلق عرض کیا تو فرمایا اسلام نے کوئی خاص پوشاک مقرر نہیں فرمائی۔ پوشاک کا مقصد جسم کا ستر ہے، اس لیے جس لباس سے ستر پوشی ہو وہ جائز ہے۔[50]

۲۔ ایک نوجوان نے (جو کالج میں پڑھتے تھے) بعض مقاصد کے لیے "آیتِ کریمہ" پڑھنے کی اجازت چاہی تو حضرت نے فرمایا اس مالیخولیا میں مت پڑو اور رضائے الٰہی کے لیے پڑھنا سیکھو۔[51]

۳۔ ایک کالج کے نوجوان نے گزارش کی کہ آپ میرے والد کو تحریر کر دیں تاکہ میں انگریزی تعلیم چھوڑ دوں۔ آپ نے فرمایا کہ تم نیت کر لو کہ اس علم سے دین کی خدمت کروں گا۔[52]

---

[49] رائے پوری، حبیب الرحمن، مولانا (مرتب)، **مجالس حضرت رائے پوری**، ۱۲۲

[50] رائے پوری، حبیب الرحمن، مولانا (مرتب)، **مجالس حضرت رائے پوری**، ص ۱۲۲

[51] رائے پوری، حبیب الرحمن، مولانا، **ارشادات شاہ عبدالقادر رائے پوری**، ص ۱۲۹

[52] ایضاً

نتیجہ بحث:

حقیقت یہ ہے کہ مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری نے جہاں خانقاہ کے بظاہر ایک خاموش تربیتی ادارے کے ذریعے آپ نے جہاں ایک طرف اہل حق علماء کے فکری تسلسل کی روشنی میں ایک بڑی تعداد لوگوں کی تیار کی تو دوسری طرف انگریز سامراج کے خلاف ہر تحریک آزادی کی سرپرستی بھی کی۔ آج جبکہ تصوف اور خانقاہ کا اجتماعی تصور مفقود ہوتا جارہا ہے ایسی شخصیات کی فکر کا مطالعہ ازبس ضروری ہو جاتا ہے جنہوں نے سوسائٹی کے اجتماعی تزکیے اور دینی اسلام کے حقیقی تصور کو اجاگر کیا-مولانارائے پوری ؒ کی دینی فکر کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مولاناؒ دین کا ایک جامع تصور رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنی دینی فکر اور فلسفے کو اپنے مشائخ کی فکر اور فلسفے کی روشنی میں تشکیل دیا تھا۔ ایک غیر جانبدار مبصر کی حیثیت سے ان کی فکر کے بعض نتائج سے شاید اختلاف کیا جاسکتا ہے لیکن ان کی اخلاص پر مبنی سوچ کو نہیں جھٹلایا جاسکتا۔

الغرض مولاناعبد القادر رائے پوری ؒ کی دینی فکر میں سماجیات کے تصور کو چند نکات میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

۱۔ انہوں نے برصغیر کے فرقہ وارانہ ماحول کا قریب سے مشاہدہ کیا اور مختلف تجربات سے گزرتے ہوئے دین کی اصل حقیقت تک رسائی حاصل کی۔

۲۔ انہوں نے برصغیر کی آزادی کے لئے سرگرم تحریکات اور شخصیات کی براہ راست رہنمائی اور سرپرستی کی۔

۳۔ ان کی نظر میں تصوف، شرعی و سماجی امور کو اخلاص اور تندہی سے انجام دینے کا نام ہے، اس لئے سماج میں صحت مند کردار ہی تصوف کا خلاصہ ہے۔

۴۔ شخصی حکومتوں کی جگہ شورائی اور جمہوری حکومتوں کا قیام روح عصر کا تقاضہ ہے جس سے انحراف نے مسلمانوں کو زوال کے دن دکھائے۔

۵۔ مذہب کے نام پر کفر سازی اور گروہت کے رجحانات، معاشرہ کی تخریب کا باعث ہیں۔

۶۔ عصری علوم وفنون سے آگہی اور تعلیمی میدان میں نوجوانوں کے رجحانات کی رعایت ازبس ضروری ہے۔

۷۔ عصر حاضر میں اقتصادی کش مکش نے مذہبی بحثوں کی جگہ لے لی ہے، اس میں مسلمانوں کو اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔